عہد غلاماں کے نظام حکومت میں مسلم اہل علم ودانش کاانتظامی کردار

*منزہ حیات

**کلثوم پراچہ

Abstract

In sub-continent, the Khandane Ghulaman (slave clan) is said to be first Muslim leading clan in Sub-continent. This house laid the foundation of a triumphant government in 13th century. In this era, different administrative posts were created to perform various functions of the state. Through these, we estimate the interest of Ghulaman government in administrativ affairs for public welfare. These posts include salatain (rulers) ministers, bureau chiefs, judges, governors and official academic religious persons (Sheikh Ul Islam.) As these posts were filled against eligible and capable educated people .These persons have a great fame in education so this brings to right a special relationship between education and governmental system of that time .This also negate the concept of division of religion and material world with reference of Islamic teachings.This article contains an ambivalent discussion of the administrative posts created during the Clan of Slaves era in Sub-continent and also the details of the learned personals filled those posts .

Keywords: Ghulaman Government, Administrative posts, Supervisiory positions, learned persons.

تیرہویں صدی عیسوی میں برصغیر پر جن حکمران خاندانوں نے حکومت کی ان میں خاندان غلاماں کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ خاندان غلاماں نے کل چوراسی سال حکومت کی اور اس دوران ان کے کل دس حکمران گزرے،[1] جن میں قطب الدین ایبک، شمس الدین التتمش اور غیاث الدین بلبن معروف ہوئے۔ مسلم عہد حکومت میں غلاموں کی موجودگی کے حوالہ سے یہ امر لائق ذکر ہے کہ ہر دور کے کچھ معروضی حالات ہیں جن سے اس دور کے لوگوں کو واسطہ پڑتا ہے۔ اس دور میں جنگوں کے نتیجہ میں جو سپاہی قید میں آجاتے تھے وہ فاتحین کے معاشرے کا حصہ قرار پاتے تھے، اسی بناپر ان کو متعلقہ خاندانوں کا حصہ تصور کیا جاتا تھا اور سربراہ خاندان ان کی دیکھ بھال کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلم ادوار حکومت میں غلاموں کی تعلیم وتربیت کا مساوی بنیادوں پر اہتمام کیا گیا، چنانچہ انہوں نے علم وفضل میں اپنا نام کمایا اور نہ صرف معاشرہ کی علمی ترقی میں کردار ادا کیا بلکہ تعلیم وتربیت کے نتیجہ میں مناصب حکومت تک بھی پہنچے۔ برصغیر میں عہد غلاماں اور مصر میں ممالیک کا دور اس امر کی درخشاں مثالیں ہیں کہ مسلم ادوار حکومت میں غلاموں کی حیثیت، یورپ کے قرون وسطیٰ اور مابعد عہد کے غلاموں کی حالت زار سے یکسر مختلف اور نہایت ممتاز تھی۔

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ وتقابل ادیان، دی ومن یونیورسٹی، ملتان۔

چنانچہ شہاب الدین غوری(م۱۲۰۶ء) کی وفات کے بعد اس کے غلام قطب الدین ایبک [۲] نے دہلی میں ایک خود مختار سلطنت قائم کی اور خاندان غلاماں کا بانی کہلایا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ایک مسلمان بادشاہ نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا اور دہلی کو ہندوستانی سلطنت کا دارالحکومت بنایا۔ اس طرح یہ برصغیر کی پہلی مسلم سلطنت تھی جو سلطنت غزنی اور دیگر ممالک کے سیاسی اثرات سے آزاد تھی۔ غوری غزنویوں کے جانشین تھے اور انہیں علم کی روایت ورثہ میں ملی۔ سلطنت دہلی کی بنیاد جن افراد نے رکھی وہ خود بھی علم کے دلدادہ تھے۔ قطب الدین ایبک کسی فتح کے اعلان کی طرز تحریر سے بھی اتنی ہی دلچسپی لیتا تھا جتنا کہ خود اس فتح کا جوش و خروش اس کے دل میں ہوتا تھا۔ بڑی سخت فوجی مہمات کی سربراہی سے جو قلیل مہلت اسے ملتی تھی وہ ارباب علم وامتیاز کی صحبت میں گزارتا تھا۔ شعراء، ادباء اور فقہاء اس کے دربار میں جمع ہوتے تھے اس کے جانشین شمس الدین التتمش [۳] نے دہلی میں ایک مدرسہ ''معزیہ'' تعمیر کیا۔ یہ مدرسہ معزالدین محمد غوری المعروف شہاب الدین غوری کے نام سے منسوب تھا جو اپنے دور کا ایک عظیم الشان تعلیمی ادارہ تھا۔ التتمش نے خود مدرسہ کے قیام اور تزئین وآرائش میں دلچسپی لی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ ایک عمدہ درس گاہ بن گئی۔ [۴]

غیاث الدین بلبن [۵] سلطان کی حیثیت سے اپنے وقار کا بہت لحاظ رکھنے کے باوجود ارباب علم سے ان کے مکانوں پر جا کر ملاقات کرتا تھا۔ دارالحکومت دہلی کی مجالس میں علماء، فقہاء اور ریاضی دانوں کے ساتھ فلسفی، اطبا اور ہئیت دان کندھے سے کندھا ملا کر بیٹھتے تھے۔ [۶] جس سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ تعلیمی نظام کے مختلف شعبوں میں اجنبیت کی بجائے اخذ واستفادہ کا ماحول پایا جاتا تھا۔

زیر نظر دور میں بالعموم مملکت اپنی زندگی کے بنیادی شعبوں میں قانون شریعت کے ماتحت تصور ہوتی تھی اور نظام حکومت میں جن مناصب کو اہمیت حاصل تھی ان میں منصب قضا، صدارت، وزارت، تولیت، مستوفی ممالک وغیرہ شامل ہیں۔

زیر نظر مقالہ میں خاندان غلاماں کے دور حکومت میں ان اہم مناصب اور ان پر فائز اہل علم ودانش کا تعارف مقصود ہے:

(الف) منصب قضا (Judiciary)

اس منصب کے تحت دو طرح کی ذمہ داریاں ادا کی جاتی تھیں (i) قاضی القضاۃ (ii) قاضی، نیز اس عہد میں اجتماعی قضاء کا تصور بھی ملتا ہے جیسا کہ موجودہ دور میں کئی ججز پر مشتمل عدالتی بنچز قائم کیے جاتے ہیں۔

(i) قاضی القضاۃ (Chief Justice)

دیوان قضا کا سربراہ قاضی ممالک ہوتا تھا جو 'قاضی القضاۃ' بھی کہلاتا تھا۔ سلاطین دہلی کے ماتحت وہ ہمیشہ صدر الصدور بھی ہوتا تھا اور اس کا شمار اہم ترین عہدہ داروں میں ہوتا تھا۔ کام کی نوعیت زیادہ ہونے کی وجہ سے، جو اس کے فرائض کی نوعیت کا نتیجہ تھی، اس کی مدد کے لیے ایک نائب ہوتا تھا اور وہ بھی ایک اہم عہدہ دار سمجھا جاتا تھا۔ وہ ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف مرافعوں کی سماعت کرتا تھا اور مقامی قاضی مقرر کرتا تھا۔ [۷] عموماً قاضی ممالک سلطنت کے قاضی القضاۃ کی حیثیت

سے اپنے فرائض کو صدر الصدور کے عہدہ کے ساتھ مشترک کر لیتا تھا اس طرح ایک ہی شخص دیوان رسالت اور دیوان قضاۃ دونوں کا مسند نشین ہوتا تھا۔ قاضی ممالک اور صدر الصدور کے عہدے ایک ہی شخص کو دیئے جاتے تھے کیونکہ سلطنت میں دینی اور شرعی نوعیت کے عہدے اکثر ایک ہی شخص کو دیئے جاتے تھے اور یہ مناسب سمجھا جاتا تھا کہ یہ افراد ایک ہی صدر کے ماتحت رہیں۔[(۸)]

۱۔ وجیہ الدین کاشانی، اپنے دور کے جلیل القدر امام تھے۔ آپ کا شمار فقہ، اصول، کلام اور علوم عربیہ کے ماہر علماء میں ہوتا تھا۔ سلطان قطب الدین ایبک (۱۲۱۰ء۔۱۲۰۶ء) کے دور میں ہندوستان کے قاضی القضاۃ تھے۔[(۹)]

۲۔ شرف الملک ایبکی، قطب الدین ایبک کے دور میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر تھے۔[(۱۰)]

۳۔ منہاج الدین جوزجانی (۱۲۶۰ء۔۱۱۹۳ء) سلطان شمس الدین التتمش کے دور میں بے شمار علماء وفقہاء دہلی میں جمع ہو گئے تھے، اس دور کے ایک قابل ذکر عالم جن کی زیادہ شہرت بطور ایک ادیب اور مؤرخ کے ہے لیکن جس نے وقت کے فقہی رجحانات پر بڑا اثر ڈالا، وہ قاضی سراج الدین بن منہاج الدین جوزجانی ہیں۔ آپ عہد شمسی میں ذمہ دار عہدوں پر مامور رہے۔ قاضی منہاج سراج کو ناصر الدین قباچہ کے دور (۱۲۲۷ء۔۱۲۱۰ء) میں مدرسہ فیروزیہ (اچ) کی مدرسی تفویض ہوئی۔ جب سلطان شمس الدین التتمش نے ۱۲۲۷ء میں سندھ پر حملہ کر کے اُچ پر قبضہ کر لیا تو آپ کو بادشاہ کا تقرب حاصل ہو گیا۔ ناصر الدین محمود ابن التمش نے ۱۲۵۱ء میں دہلی میں بلا کر صدر جہاں کا خطاب دیا اور دوبارہ جملہ ممالک محروسہ کی قضاء پر مامور ہوئے۔ لیکن ۱۲۵۳ء کو ان مناصب سے معزول کر دیے گئے پھر آپ صدر جہاں کے لقب سے سرکاری طور پر ملقب ہو کر تیسری مرتبہ ۱۲۵۵ء کو جملہ ممالک کی قضاء سے سرفراز ہوئے۔[(۱۱)]

۴۔ قاضی نصیر الدین دہلوی، شمس الدین التتمش کے دور میں برصغیر کے قاضی القضاۃ رہے۔[(۱۲)]

۵۔ سعد الدین کردری، سلطان شمس الدین التتمش کے زمانہ میں برصغیر میں قاضی القضاۃ رہے۔[(۱۳)]

۶۔ شمس الدین بہرائچی، اپنے زمانہ کے ممتاز الافاضل اور شہر بہرائچ کے قاضی تھے۔ سلطان علاء الدین مسعود (۱۲۴۶ء۔۱۲۴۲ء) نے جب اپنے چچا ناصر الدین محمود (۱۲۶۶ء۔۱۲۴۶ء) کو بہرائچ کی عنان حکومت تفویض کی تو قاضی صاحب کا شمار اس کے قریبی لوگوں میں ہونے لگا۔ اور جب ناصر الدین نے تمام ملک کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی تو اس نے اپنے زیر نگین پورے ملک کی قضاۃ ۱۲۵۲ء میں آپ کے سپرد کر دی۔ پس آپ بادشاہ کے معتمد اور مشیر الامور ہو گئے جس پر دوسروں نے حسد کیا اور بادشاہ سے آپ کی شکایت کی، جس پر بادشاہ نے آپ کو ۱۲۵۷ء میں قضاء سے برطرف کر دیا۔ اس کے بعد جب بادشاہ کے بعض امراء نے اس پر حملہ کیا تو اس حملہ کا محرک قاضی صاحب کو بتایا گیا، بادشاہ نے آپ کو ۱۲۵۷ء میں دہلی سے نکال دیا اور آپ اپنی جاگیر میں جا بسے۔[(۱۴)]

۷۔ قاضی عماد الدین مہر شفور، سلطان علاء الدین مسعود شاہ (۱۲۴۶ء۔۱۲۴۲ء) کے دور میں قاضی منہاج الدین جوزجانی کے مستعفی ہونے کے بعد قضاء کا منصب قاضی عماد الدین مہر شفور کو ملا۔[۱۵]

مجلس قضاۃ: (Judicial Council)

سلطانہ رضیہ نے قضاۃ کی ایک کونسل بنائی تھی۔ تمام احکامات ان کے مشورے سے طے ہوتے، پھر وہ حکم عام دیتی تھی۔ قاضی سعید الدین کردی، قاضی نصیر الدین کاسالیس، قاضی جلال الدین، قاضی کبیر الدین لشکر سلطانہ رضیہ کے دربار کے قضاۃ تھے۔ یہ چاروں قاضی اس کے باپ شمس الدین التتمش کے زمانہ سے چلے آرہے تھے۔[۱۶]

(ii) قاضی (Judge)

ہر شہر میں خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو، ایک قاضی کا ہونا اس قدر ضروری سمجھا جاتا تھا کہ سب سے پہلے انتظامی کاموں میں قاضی کا تقرر ضرور شامل تھا۔ مسلم سلطنت کے آغاز میں قاضی کا کام صرف یہ تھا کہ تنازعات کا تصفیہ کرے لیکن بعد میں اس کا دائرہ اختیار کافی وسیع ہو گیا اور اس میں یتیموں اور فاتر العقل افراد کی جائداد کا انتظام وانصرام، وصیتوں پر عمل درآمد اور اوقاف کی نگرانی بھی شامل ہو گئے۔ قاضیوں کا تقرر براہ راست مرکز سے ہوتا تھا اور وہ حاکموں کے دائرہ اختیارات سے مکمل آزاد ہوتے تھے۔[۱۷]

۱۔ شمس الدین مارہروی (م ۱۲۴۱ء)، معزالدین بہرام شاہ (۱۲۴۲ء۔۱۲۴۰ء) کے دور شہر مارہرہ کے قاضی تھے۔آپ بادشاہ کے سامنے اس کے خلاف کہنے میں بھی تامل نہ کرتے۔آخر بادشاہ نے آپ کی مشکیں کسوا کر ہاتھی کے سامنے پھینکوادیا جس نے انہیں کچل کر شہید کر دیا۔[۱۸]

۲۔ عماد الدین محمد شقور قانی دہلوی (م ۱۲۴۸ء): برصغیر کے مشہور فقہاء میں سے تھے۔آپ ۱۲۴۲ء میں سلطان علاء الدین مسعود شاہ (۱۲۴۶ء۔۱۲۴۲ء) کے زمانہ میں عہدہ قضاء پر فائز ہوئے اور سلطان ناصر الدین محمود کے دور میں ۱۲۴۸ء میں اس منصب پر سے ہٹا دیے گئے، بعد ازیں بدایوں چلے گئے۔[۱۹]

۳۔ جلال الدین کاشانی (م ۱۲۵۰ء): آپ ساتویں صدی ہجری کے جید عالم اور مشہور فقیہ تھے۔آپ دہلی میں منصب قضاء پر فائز تھے لیکن معزالدین بہرام شاہ (۱۲۴۲ء۔۱۲۴۰ء) نے ۱۲۴۱ء میں آپ کو اس شبہ کی بنا پر کہ آپ اسے بادشاہت سے الگ کرنا چاہتے ہیں، معزول کر دیا۔اس کے بعد وہ اودھ چلے گئے جہاں عہدہ قضاۃ پر متعین رہے۔

سلطان ناصر الدین محمود کے دور میں ۱۲۴۹ء میں آپ کو دوبارہ منصب قضاۃ (قاضی ممالک) عطا کیا گیا۔[۲۰]

۴۔ اسمٰعیل بن سندھی الوری، الور میں خطیب تھے۔اپنے والد کی توریث میں قضاء و خطابت دونوں پر فائز ہوئے۔ علوم عقلیہ میں بھی ماہر تھے۔ علی بن حامد نے تاریخ سندھ میں لکھا ہے کہ میں نے الور میں ان سے ملاقات کی اور تاریخ سندھ و غزوات وفتوحات مسلمین پر ان کے پاس چند اجزاء دیکھے جو عربی میں تھے، میں نے ان کی اجازت سے یہ اجزا فارسی میں قلم بند کر دیے۔[۲۱]

۵۔ قاضی تاج الدین مدنی، شیخ الاسلام محمد بن احمد مدنی(۷۹ ۱۲ء۔۱۱۸۶ء) کے تیسرے صاحبزادہ تھے۔پہلے کڑہ میں اور بعدازیں بدایوں میں قاضی کے منصب پر فائز رہے۔ (۲۲)

۶۔ قاضی رکن الدین مدنی، شیخ الاسلام محمد بن احمد مدنی کے پوتے اور مولانا نظام الدین کے صاحبزادہ تھے۔کڑہ میں قضاء کے منصب پر فائز تھے۔ (۲۳)

(ب)منصب وزارت: (Ministry)

وزارت قانوناً سلطان یا خلیفہ کی نیابت ہے۔وزیر کا محکمہ 'دیوان وزارت' کہلاتا تھا اس کو ''نظامت ملک'' بھی کہا جاتا تھا اور بطور خاص مالیات سے واسطہ رکھتا تھا۔اس کی مدد ایک نائب وزیر کرتا تھا جو اس کے عام مددگار کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔(۲۴) شمس الدین التتمش کے دور حکومت میں مسلم علوم وفنون کو اس لیے بھی فروغ حاصل ہوا کہ وسطی ایشیا اور مشرق وسطیٰ کی دنیائے اسلام میں منگولوں کی لائی ہوئی تباہی سے پریشان ہو کر بہت سے علماء برصغیر آگئے، التتمش نے انہیں خوش آمدید کہا، ان میں بخارا کے مشہور شاعر و فلسفی امیر کوخانی، نصیر الدین عوفی اور فخر الملک شامل ہیں۔ شمس الدین التتمش کے علم وفضل کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ سلسلہ چشتیہ کے اپنے دور کے سربراہ اور خواجہ معین الدین چشتی کے جانشین خواجہ بختیار کاکی (م۱۲۳۵ء) کے نماز جنازہ کی امامت کی۔ (۲۵)

۱۔ فخر الملک، تیس سال تک خلیفہ بغداد کے وزیر رہے تھے اور اپنی ذہانت ودانش میں مشہور تھے۔التتمش نے انہیں اپنا وزیر اعظم مقرر کیا تھا۔ (۲۶)

۲۔ حسین بن احمد اشعری، معروف صحابی رسول ﷺ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی اولاد میں سے تھے۔آپ کا نام حسین اور لقب امیر الکبیر، عین الملک اور فخر الدین تھا۔آپ کے والد کا نام احمد،لقب شرف الملک اور کنیت ابو بکر تھی۔آپ دنیا کے سخی افراد میں سے تھے۔ ناصر الدین قباچہ (۱۲۲۷ء۔۱۲۱۰ء) نے آپ کو قلم دان وزارت تفویض فرمایا اور آپ نے ۱۲۰۳ء سے ۱۲۲۴ء تک مسلسل یہ خدمت سرانجام دی۔بعدازیں شمس الدین التتمش نے اپنے بیٹے رکن الدین فیروز شاہ کو اس منصب پر مامور کیا۔مولانا حسین خود فاضل کبیر اور اہل علم کے قدردان تھے۔سدید الدین عوفی نے آپ کی خاطر ۱۲۲۰ء میں کتاب ''لباب الالباب'' لکھی۔ (۲۷)

۳۔ قوام الدین محمد بن ابی سعد جنیدی دہلوی، کو سلطان شمس الدین التتمش نے ۱۲۱۰ء میں وزارت پر فائز کیا اور آپ ۱۲۳۵ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔آپ کا خطاب نظام الملک تھا،آپ اہل علم کے قدردان تھے۔ سدید الدین عوفی نے کتاب جوامع الحکایات آپ کی خاطر لکھی۔آپ کا انتقال ۱۲۳۶ء سے ۱۲۴۲ء کے درمیانی عرصہ میں ہوا۔ (۲۸)

۴۔ خواجہ محمد بن عوض المستوفی دہلوی (م۱۲۴۲ء)،کا لقب نظام الملک مہذب الدین تھا۔آپ اپنے عہد میں ممتاز الافاضل تھے۔سلطانہ رضیہ (۱۲۴۰ء۔۱۲۳۶ء) نے آپ کو مسند وزارۃ پر متمکن فرمایا۔ اس سے قبل وزیر نظام الملک

قوام الدین محمد بن ابو سعد جنیدی کے نائب تھے۔ سلطانہ رضیہ نے آپ کو اپنی طرف سے نظام الملک کا خطاب عنایت فرمایا اور سلطان علاءالدین مسعود شاہ(۱۲۴۶ء۔ ۱۲۴۲ء) کے دور تک اسی منصب اور خطاب سے بہرہ مند رہے۔[۲۹]

۵۔ ضیاءالملک تاج الدین، کو سلطان ناصر الدین محمود دوم (۱۲۶۶ء۔۱۲۴۶ء) کے دور حکومت میں وزارت کا منصب اور نظام الملک کا خطاب دیا گیا۔[۳۰]

۶۔ نجم الدین ابو بکر دہلوی، کا شمار سیاست دانوں میں ہوتا ہے۔ علاءالدین مسعود شاہ نے آپ کو ۱۲۴۲ء میں عہدہ وزارت سونپا، اور ناصر الدین محمود (۱۲۶۶ء۔۱۲۴۶ء) نے انہیں ۱۲۵۳ء میں معزول کیا۔ دوسری مرتبہ وزارت پر ۱۲۵۴ء میں فائز ہوئے۔ ۱۲۵۷ء میں معزول ہوئے۔[۳۱]

(ج) منصب صدارت: (Educational Supervisiory Affairs)

یہ ایک عالی مرتبت و محترم عہدہ تھا جو نہ صرف بڑا وقار رکھتا تھا بلکہ اس کے اختیارات بھی بہت وسیع ہوتے تھے اور اس کا محکمہ دیوان رسالت کہلاتا تھا یہ منصب، محکمہ تعلیم اور محکمہ مذہبی امور کے انتظامی و تعلیمی امور کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ دیوان رسالت کے سربراہ کی حیثیت سے صدر الصدور مذہبی خطیبوں، نماز پڑھانے والوں اور سلطنت کی مساجد کا انتظام کرنے والوں کا تقرر کرتا تھا۔ صدر الصدور کا سب سے اہم فرض یہ ہوتا تھا کہ مملکت کے وظائف کے لیے عالم و فاضل لوگوں کے ناموں کی سفارش سلطان سے کرے تاکہ وہ لوگ حصول علم کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر سکیں۔ صدر الصدور کی اس سرپرستی نے اس کا اثر تعلیم اور رائے عامہ پر بہت زیادہ قائم کر دیا تھا۔ کیونکہ منبر وعظ اور مسند درس دونوں پر ان ہی لوگوں کا اقتدار تھا جو مملکت کے ملازم تھے۔ لیکن ایسی کسی مثال کی کوئی تحریری شہادت موجود نہیں ہے جس میں سلطان کسی شرعی مسئلہ کے متعلق علما کی رائے کو متاثر کر سکا ہو۔ اس سے اس دور میں آزادی رائے کا اندازہ ہوتا ہے چنانچہ صدر الصدور رائے پر اتنا انضباط نہیں کرتا تھا جتنا کہ علوم کی سرپرستی کرتا تھا اس لیے یہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ یہ عہد کسی ایسے فرد کو دیا جائے جس کا تقویٰ شبہ سے بالا تر ہو۔ جب کبھی ایسے عہدہ پر کسی کم قابلیت کے آدمی کا تقرر کیا جاتا تھا تو اس سے بڑی رسوائی ہوتی تھی مملکت کسی اور طریقہ سے تعلیم پر ضبط قائم نہیں کرتی تھی۔[۳۲] معزالدین بہرام شاہ(۱۲۴۲ء۔ ۱۲۴۰ء) نے سلطنت کی باگ ڈور سنبھالی، تو ۱۲۴۱ء میں دہلی کے زمانہ قیام میں منہاج الدین جوزجانی کو شہر دہلی کا قاضی اور صدر الصدور مقرر کیا تھا، جو اس کی زندگی میں اس منصب پر فائز رہے۔[۳۳]

۲۔ مولانا فخر الدین ناقلی، علم و فضل میں یکتائے زمانہ تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے دور میں منصب صدارت (صدر الصدور) پر فائز تھے۔ کافی عرصہ اس منصب پر متعین رہے پھر معزول کر دیے گئے۔ کچھ عرصہ گھر کے گوشہ عزلت میں گزارا۔ آپ دہلی میں دینی علوم کے مدرس بھی تھے، علماء کی کثیر تعداد نے آپ سے استفادہ کیا۔[۳۴]

(د) منصب شیخ الاسلام: (Religious Supervisiory Affairs)

مملکت کی سرپرستی میں صوفیاء اور فقراء کی کثیر تعداد شیخ الاسلام کے ماتحت ہوتی تھی، جو بعض مخصوص مسلم ریاستوں میں یہ محکمہ امور دینیہ کی تمام سرگرمیوں کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ لیکن سلطنت دہلی میں اسے ایسا کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔ غالباً اس کی سفارش پر مملکت مستحق صوفیوں اور فقراء کو وظائف دیتی تھی۔ بعض مشائخ بڑی آزادی رائے ظاہر کرتے تھے اور سلاطین پر نکتہ چینی کرنے سے نہیں ڈرتے تھے۔ ادارہ اوقاف کا انتظام آخری درجہ میں شیخ الاسلام کے ذمہ ہوتا تھا کیونکہ بہت سی صورتوں میں اوقاف سے مستفید ہونے والوں میں درویش بھی شامل ہوتے تھے۔ شیخ الاسلام کا منصب صدر الصدور کے شعبہ سے متعلق سمجھا جاتا تھا۔ (۳۵)

۱۔ شیخ نجم الدین الصغریٰ: عالم فقہ اور برصغیر کی مشہور شخصیات میں سے تھے۔ آپ سلطان شمس الدین التتمش کے زمانہ میں دہلی میں شیخ الاسلام کے منصب پر سرفراز ہوئے اور اسی کے دور میں وفات پائی۔ (۳۶)

۲۔ شیخ جمال الدین محمد بن بسطامی (م۱۲۵۸ء): اہل ارباب و فضل میں سے تھے۔ آپ سلطان ناصر الدین محمود التتمش کے دور میں دہلی میں ۱۲۵۵ء میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہوئے اور اسی حکمران کے دور میں وفات پائی۔ (۳۷)

۳۔ شیخ بہاء الدین زکریا (۱۲۶۲ء۔ ۱۱۸۲ء): برصغیر میں سلسلہ سہروردیہ کے مرجع تھے، تصوف و طریقت کے ساتھ ساتھ آپ کا برصغیر میں قرون وسطیٰ کی سیاسیات پر گہرا اثر ورسوخ تھا، چنانچہ ملتان پر اقتدار قائم رکھنے میں انہوں نے التتمش (۱۲۳۵ء۔ ۱۲۱۰ء) کو اس کے علم ودانش اور حسن کردار کے سبب مدد دی اور اس کا دیا ہوا لقب '' شیخ الاسلام'' قبول کیا۔ ۱۲۴۶ء میں جب منگول ملتان میں داخل ہو گئے برج اور مورچے گرا کر شہر میں قتل وغارت شروع کرنے کو تھے، تو شیخ بہاء الدین زکریا نے سیاسی حکت عملی اختیار کی چنانچہ ایک لاکھ کی رقم نقد لے کر پہنچے اور منگولوں کو یہ رقم ادا کر کے شہر کو ان کی تباہی سے بچایا۔ یعنی آپ نے اپنے پاس محفوظ دولت کو اجتماعی سلامتی کے لئے صرف کیا اور مطلوبہ رقم اپنے زیر تصرف خزانہ سے ادا کر کے ملتان کو غارت گری سے بچا لیا۔ (۳۸)

۴۔ محمد بن احمد مدنی (۱۲۷۹ء۔ ۱۱۸۶ء)، شیخ عبدالقادر جیلانی کے بھانجے تھے، قطب الدین لقب تھا۔ جن علمائے عصر اور نامور اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، ان میں آپ کے والد شیخ سید احمد مدنی، شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ عارف باللہ ابوالجناب نجم الدین کے نام خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔ فتنہ تاتار کے زمانے میں آپ کے والد بغداد میں شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد آپ بغداد سے نکلے اور غزنی آ گئے۔ وہاں ایک عرصہ تک مقیم رہے پھر قطب الدین ایبک (۱۲۱۰ء۔ ۱۲۰۶ء) کے دور میں ہندوستان آ گئے۔ اس کی معیت میں کئی جنگوں میں حصہ لیا۔ سلطان قطب الدین ایبک آپ کی بہادری اور علم کی بنا پر آپ کا بہت احترام کرتا تھا، آپ کو صدر مجلس میں بٹھاتا اور ہاتھوں کو بوسہ دیتا۔ معزالدین بہرام شاہ (۱۲۴۲ء۔ ۱۲۴۰ء) کے دور میں آپ دہلی کے شیخ الاسلام تھے۔ جن امرائے سلطنت اور عمال حکومت نے بہرام شاہ کو معزول کیا تھا ان کو سمجھانے کے لیے

۱۲۴۲ء میں سلطان نے آپ کو لاہور بھیجا۔آپ نے انہیں سمجھانے کی بڑی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور دہلی واپس آگئے۔ ۱۲۵۵ء میں سلطان ناصر الدین محمود کے دور حکومت (۱۲۶۶ء۔۱۲۴۶ء) میں آپ منصب شیخ الاسلام اور مسند مشیخت سے الگ ہو گئے۔[۳۹]

(ر)منصب تولیت اوقاف:(Awqaf Administration)

اوقاف وقف کی جمع ہے،اس کے لیے اس دور میں باقاعدہ ذمہ داری تفویض کی جاتی ہے۔اس منصب پر فائز شخص کی ذمہ داری یہ تھی کہ اوقاف سے متعلق تمام امور کی دیکھ بھال کرے۔بعض سلاطین خانقاہوں اور اولیاء وسلاطین کے مزارات کی دیکھ بھال کے لیے بڑے بڑے اوقاف دیتے تھے۔ان اداروں کا انتظام آخری درجہ میں شیخ الاسلام کے ذمہ ہوتا تھا کیونکہ بہت سی صورتوں میں اوقاف سے مستفید ہونے والوں میں صوفیاء اور درویش بھی شامل ہوتے تھے۔منہاج الدین جوزجانی ۱۲۴۵ء میں دہلی دوبارہ آئے،توامیر الحاجب غیاث الدین بلبن[۴۰] نے گوالیار کی قضاء وخطبہ کے ساتھ اُچ کے مدرسہ ناصریہ[۴۱] کے اوقاف کی تولیت سپرد کردی۔[۴۲]

(س)منصب،میر منشی: (Chief Secretary)

اس دور میں خطوط نویسی کا فن بڑی تربیت کے بعد حاصل ہوتا تھا،اور فرمانرواؤں کے دربار اپنے مراسلات کی خوبی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔تمام مراسلت خواہ وہ ضابطہ کی ہو یا بصیغہ راز،فرمانروا اور دوسری ریاستوں کے حکمرانوں کے درمیان ہو یا خود اس کے باج گزاروں اور عہدہ داروں سے ہو،اسی محکمہ سے گزر کر جاتی تھی۔[۴۳]

۱۔ مولانا تاج الدین دہلوی،سلطان شمس الدین التتمش (۱۲۳۶ء۔۱۲۱۱ء) کے دور میں وزارت خارجہ کے میر منشی مقرر ہوئے۔آپ صاحب علم شاعر بھی تھے۔[۴۴]

۲۔ شیخ علاء الدین دہلوی،سلطان غیاث الدین بلبن کے دور میں میر منشی اور شعبہ مراسلات کے متہم تھے۔سلطان علاءالدین خلجی کا جب دور آیا تو اس دور میں بھی آپ ان مناصب پر فائز رہے اور ان ہی کے اوائل حکومت میں وفات پائی۔ ضیاءالدین برنی نے آپ کے فضل وکمال اور مراسلات میں مہارت کی بڑی تعریف کی ہے۔[۴۵]

(ص)منصب تولیت: (Governor Ship)

سلطنت دہلی میں ایک امیر کو عام طور پر ' نائب الملک ' منتخب کر لیا جاتا تھا لیکن اس کے اختیارات میں سلطان کے کردار کے مطابق کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔بعض اوقات وہ ایک خالی خطاب رہ جاتا تھا اور دوسرے مواقع پر وہ عملاً مطلق العنان اختیارات کا حامل ہوتا تھا۔وہ فوجی نظام کا سربراہ ہوتا تھا اور مرکز کے زیر انتظام علاقے اس کی سپردگی میں ہوتے تھے۔[۴۶]

۱۔ حسین خنگ سوار اجمیری،آپ کا نام سید حسین بن ابو عبداللہ حسینی مشہدی اور لقب فخر معاصر تھا،ان کو قطب الدین ایبک نے شہر اجمیر کی تولیت پر مامور فرمایا اور تازندگی اس منصب پر فائز رہے۔آپ کے ہاتھ پر بے شمار ہندو مسلمان ہوئے جو آپ

کے علم و فضل اور اعلیٰ کردار کی علامت ہے۔ یہ بات متعصب عناصر کو اچھی نہیں لگی اور آپ کو نرغہ میں لے کر شہید کر دیا۔ آپ خواجہ معین الدین اجمیری (۱۲۳۵ء) کے دلی معتقد تھے۔ آپ کا لقب خنگ سوار (گھڑ سوار) تھا۔ (۴۷)

۲۔ شرف الدین اصفہانی، فقیہہ عصر اور قاضی تھے۔ آپ ناصر الدین قباچہ (۱۲۲۷ء۔۱۲۱۰ء) کے دور میں ملتان پر نائب حکومت تھے۔ قباچہ کے منکر امور پر سلطان غیاث الدین غوری (فرمانروا غور) کو خط لکھا کہ یہ حکمران ان لغزشوں کی وجہ سے قابل قتل ہے۔ خط قباچہ کے ہاتھ آگیا اور اس نے غصہ میں آکر آپ کو جلاد کے حوالے کر دیا۔ (۴۸)

۳۔ قاضی کمال الدین جعفری، اپنے زمانہ کے کبار علماء میں سے تھے او ر علم و فضل میں یکتا تھے۔ بدایوں میں نائب حکومت تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ (۴۹)

مزید براں ایک ریاست یا حکومت کی طرف سے دوسری ریاست یا حکومت کے پاس اپنے ملک کا پیام لے کر جانے والے آدمی کو سفیر کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک ملک میں کسی علاقہ کے لیے مرکزی حکومت کی طرف سے کوئی نمائندہ بھیجا جاتا تو وہ بھی محدود معنوں میں سفارت کہلاتا تھا۔ یہ بڑا ذمہ داری کا عہدہ ہوتا اور اس پر ان لوگوں کو مقرر کیا جاتا جو قابل اعتماد ہوں اور حکومتی پیغام دوسری حکومت تک ٹھیک پہنچا سکیں۔ معزالدین بہرام شاہ (۱۲۴۲ء۔۱۲۴۰ء) کے بعد علاء الدین مسعود شاہ (۱۲۴۶ء۔۱۲۴۲ء) تخت نشین ہوا تو اس نے جلال الدین کاشانی کو ۱۲۴۳ء میں اودھ سے بلا کر بسلسلہ سفارت لکھنؤ بھیج دیا اور وہاں بھیجنے سے پہلے آپ کو خلعت اور چتر عنایت کر کے آپ کی قدر و منزلت کی۔ (۵۰)

(ط) مستوفی الملک: (Auditor General)

عہد غلاماں میں حسابات کی جانچ پڑتال کرنے والے کو مستوفی الملک کہا جاتا تھا۔ یہ آج کے دور میں آڈیٹر جنرل کے مشابہ منصب تھا۔ مشرف الملک (۵۱) اور مستوفی الملک دونوں وزارتی درجے کے عہدہ دار ہوتے تھے اور سلطان کی خدمت میں براہ راست رسوخ رکھتے تھے۔ (۵۲)

مولانا شمس الدین خوارزمی، سلطان غیاث الدین بلبن (۱۲۸۷ء۔۱۲۶۶ء) کی طرف سے دہلی میں منصب صدارت پر فائز تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے دل مولانا شمس الدین خوارزمی کی بے حد قدر و منزلت تھی، اس نے آپ کو شمس الملک کا خطاب عطا کیا اور اپنی حکومت کا مستوفی الملک (آڈیٹر جنرل) بنایا۔ اس کے ساتھ ہی آپ درس وتدریس کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ آپ اصول و فروع اور معقول و منقول کے جامع تھے۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست میں عظیم المرتبت حضرات شامل ہیں، جیسا کہ شیخ نظام الدین اولیاء، شیخ قطب الدین ناقلہ اور شیخ برہان الدین عبدالباقی وغیرہ۔ سیر الاولیاء میں درج ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء نے آپ سے عربی ادب کی معروف کتاب مقامات حریری پڑھی اور اس کے چالیس مقامات حفظ کیے۔ وہ اپنی مجالس میں نہایت ادب سے آپ کا تذکرہ فرماتے۔ (۵۳) غیاث الدین بلبن نے جب اپنے بیٹے بغرا خان کو بنگالہ کا حاکم بااختیار مقرر کیا تو دہلی کے بعض قابل اور بااعتماد لوگوں کو بھی اس کے ساتھ رہنے کے لیے متعین کیا، ان میں شمس الدین خوارزمی (دبیر) بھی تھے۔ (۵۴)

(ع)منصب کوتوال: (Police Officer)

عہد غلاماں میں کوتوال امن وامان قائم رکھنے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ کوتوال کے سپاہی رات کو شہر میں گشت لگاتے تھے اور شوارع کی حفاظت کرتے تھے، کوتوال ہر محلہ میں سے ایک آدمی اپنے ساتھ رکھتا، ان کی سرگرمیوں اور وسائل معاش سے باخبر رہتا تھا اور ہر نئے آنے والے پر اپنی توجہ رکھتا اس کا دائرہ اختیارات دیہاتی علاقوں پر بھی محیط ہوتا تھا یہ مقدمات کی ابتدائی تفتیش کے لیے مقدمات کی سماعت کرتا تھا۔[۵۵] سلطان شمس الدین التتمش نے منہاج الدین جوزجانی کو ۱۲۳۲ء میں گوالیار میں قضاء کے ساتھ امامت وخطبہ کے علاوہ کوتوالی کا منصب بھی عطا فرمایا۔[۵۶]

زیر نظر دور میں ریاستی مناصب پر اہل علم کے فائز ہونے اور نظام حکومت میں ان کے مؤثر کردار سے واضح ہوتا ہے کہ اس عہد میں برصغیر کے تعلیمی نظام نے ملکی تعمیر وترقی میں بنیادی کردار ادا کیا اور اس امر کی نشاندہی بھی ہوتی ہے کہ نظام تعلیم میں ثنویت کی بجائے وحدانیت تھی اور اہل علم معاشرتی وریاستی امور کا شعور وادراک رکھتے تھے۔ اور اس دور کے تعلیمی ادارے ملکی نظام کے لیے رجال کار مہیا کرتے تھے، جب کہ موجودہ دور میں مدارس اور کالجز کے علیحدہ نظامہائے تعلیم درحقیقت نوآبادیاتی دور کی یادگار ہیں جو معاشرہ میں طبقاتی تقسیم کا سبب بن کر معاشرتی عدم استحکام کا سبب ہے۔ جس کے نتیجہ میں مدارس کا تعلیم یافتہ طبقہ معاشرتی وریاستی امور سے لاتعلق ہو کر رہ گیا اور معاشرہ متوازی اندازہائے فکر کے سبب انتشار میں مبتلا نظر آتا ہے، جس کے انسداد کے لیے معاشرہ کے ذمہ دار افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ مل بیٹھ کر مناسب لائحہ عمل اختیار کریں۔

خلاصہ بحث:

برصغیر کے عہد غلاماں میں اہلیت کی بنیاد پر اہل علم کو سرکاری مناصب سونپے گئے اور اس دور کے علماء ان مناصب کے حوالہ سے عصری شعور رکھتے تھے، ان مناصب میں وزارت، قضا، چیف سیکرٹری، صدر الصدور اور آڈیٹر جنرل وغیرہ شامل تھے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ زیر نظر دور کے دینی تعلیمی نظام نے ملکی تعمیر وترقی میں بنیادی کردار ادا کیا۔

i۔ قاضی ممالک اور صدر الصدور کے عہدے ایک ہی شخص کو دیئے جاتے تھے۔ دیوان قضا کا سربراہ قاضی ممالک ہوتا تھا جو 'قاضی القضاۃ' بھی کہلاتا تھا۔ کام کی نوعیت زیادہ ہونے کی وجہ سے، جو اس کے فرائض کی نوعیت کا نتیجہ تھی اس کی مدد کے لئے ایک نائب ہوتا تھا اور وہ بھی ایک اہم عہدہ دار سمجھا جاتا تھا۔ وہ ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف مرافعوں کی سماعت کرتا تھا اور مقامی قاضی سمقرر کرتا تھا۔ سلطنت میں دینی اور شرعی نوعیت کے ان عہدوں پر وجیہ الدین کاشانی، شرف الملک ایبکی، قاضی نصیر الدین دہلوی، شمس الدین بہرائچی اور منہاج الدین جوزجانی وغیرہ جیسے نمایاں اہل علم تھے۔

ii۔ دیوان رسالت کے سربراہ کی حیثیت سے صدر الصدور مذہبی خطیبوں، نماز پڑھانے والوں اور سلطنت کی مساجد کا انتظام کرنے والوں کا تقرر کرتا تھا۔

iii۔ منصب وزارت، قانوناً سلطان یا خلیفہ کی نیابت سمجھا جاتا تھا۔ وزیر کا محکمہ 'دیوان وزارت' کہلاتا تھا اور بطور خاص مالیات سے واسطہ رکھتا تھا، اس کی مدد ایک نائب وزیر کرتا تھا جو اس کے عام مددگار کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ التتمش نے فخر الملک کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا تھا۔ وہ قبل ازیں تیس سال تک خلیفہ بغداد کے وزیر رہے تھے اور اپنی ذہانت و دانش میں مشہور تھے ۔اس عہد کے دیگر اہل علم وزراء میں حسین بن احمد اشعری، قوام الدین محمد بن ابی سعد جنیدی دہلوی، خواجہ محمد بن عوض المستوفی دہلوی وغیرہ شامل ہیں۔

iv۔ عہد غلاماں میں منصب صدارت عالی مرتبت و محترم عہدہ تھا جو نہ صرف بڑا وقار رکھتا تھا بلکہ اس کے اختیارات بھی بہت وسیع ہوتے تھے۔ اور اس کا محکمہ دیوان رسالت کہلاتا تھا، اس کو آج کے دور کی وزارت مذہبی امور کہا جاسکتا ہے۔ دیوان رسالت کے سربراہ کی حیثیت سے صدر الصدور مذہبی خطیبوں، نماز پڑھانے والوں اور سلطنت کی مساجد کا انتظام کرنے والوں کا تقرر کرتا تھا۔ معزالدین بہرام شاہ نے ۱۲۴۱ء میں دہلی میں معروف عالم دین منہاج الدین جوزجانی کو شہر دہلی کا قاضی اور صدر الصدور مقرر کیا۔

v۔ غلاماں حکومت کی سرپرستی میں صوفیاء اور عارفین کی کثیر تعداد شیخ الاسلام کے ماتحت ہوتی تھی، جو بعض مخصوص مسلم ریاستوں میں یہ محکمہ امور دینیہ کی دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ مشائخ بڑی آزادی رائے ظاہر کرتے تھے اور سلاطین پر نکتہ چینی کرنے سے نہیں ڈرتے تھے۔ بعض سلاطین خانقاہوں اور اولیاء و سلاطین کے مزارات کی دیکھ بھال کے لیے بڑے بڑے اوقاف دیتے تھے۔ ان اداروں کا انتظام آخری درجہ میں شیخ الاسلام کے ذمہ ہوتا تھا۔

vi۔ اس دور میں خطوط نویسی کا فن بڑی تربیت کے بعد حاصل ہوتا تھا تمام مراسلت خواہ وہ ضابطہ کی ہو یا بصیغہ راز، فرمانروا اور دوسری ریاستوں کے حکمرانوں کے درمیان ہو یا خود اس کے باج گزاروں اور عہدہ داروں سے ہو، اسی محکمہ سے گزر کر جاتی تھی۔ مولانا تاج الدین دہلوی، شیخ علاءالدین دہلوی وغیرہ اس حوالہ سے میر منشی کے منصب پر فائز تھے۔

vii۔ سلطنت غلاماں میں ایک امیر کو عام طور پر 'نائب الملک' منتخب کر لیا جاتا تھا یہ گویا شہر کا گورنر ہوتا تھا لیکن اس کے اختیارات میں سلطان کے کردار کے مطابق کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ وہ فوجی نظام کا سربراہ ہوتا تھا اور مرکز کے زیر انتظام علاقے اس کی سپردگی میں ہوتے تھے۔ جیسا کہ اس دور کے نائب الملک میں حسین خنگ سوار اجمیری، شرف الدین اصفہانی اور قاضی کمال الدین جعفری کے نام نمایاں ہیں۔

viii۔ مشرف ممالک اور مستوفی ممالک دونوں وزارتی درجے کے عہدہ دار ہوتے تھے اور سلطان کی خدمت میں براہِ راست رسوخ رکھتے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے دور میں مولانا شمس الدین خوارزمی مستوفی الملک کے عہدہ پر فائز تھے، اس کے ساتھ ہی آپ درس وتدریس کا فریضہ بھی سرانجام دیتے تھے۔

ix۔ کوتوال امن و امان قائم رکھنے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ کوتوال کے سپاہی رات کو شہر میں گشت لگاتے تھے اور شوارع کی حفاظت کرتے تھے۔ سلطان شمس الدین التتمش نے منہاج الدین جوز جانی کو کوتوالی کا منصب عطا کیا تھا۔

حوالہ جات:

۱۔ خاندان غلاماں کے دس حکمرانوں کے ناموں کی تفصیل مع سنین درج ذیل ہے:

(i) قطب الدین ایبک (م ۱۲۱۰ء۔۱۲۰۶ء)

(ii) آرام شاہ (م ۱۲۱۱ء۔۱۲۱۰ء)

(iii) شمس الدین التتمش (م ۱۲۳۶ء۔۱۲۱۱ء)

(iv) رکن الدین (م ۱۲۳۶ء۔۱۲۳۶ء)

(v) رضیہ سلطانہ (م ۱۲۴۰ء۔۱۲۳۶ء)

(vi) معزالدین بہرام (م ۱۲۴۲ء۔۱۲۴۰ء)

(vii) علاءالدین مسعود (م ۱۲۴۶ء۔۱۲۴۲ء)

(viii) ناصرالدین محمود (م ۱۲۶۶ء۔۱۲۴۶ء)

(ix) غیاث الدین بلبن (م ۱۲۸۷ء۔۱۲۶۶ء)

(x) معزالدین کیقباد (م ۱۲۹۰ء۔۱۲۸۷ء) (ثروت صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، اسلامک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، ۲۰۰۴ء، ج ۲، ص ۱۵۶)

۲۔ قطب الدین ایبک (م ۱۲۱۰ء۔۱۲۰۶ء) درحقیقت ایک ترکی غلام تھا جو بچپن میں اغواء فروشوں کے ہاتھ لگ گیا جنھوں نے اسے نیشا پور میں فروخت کر دیا۔ قطب الدین کو قاضی فخر الدین عبدالعزیز کوفی نے جو حضرت امام ابو حنیفہ کی اولاد میں سے تھے خریدا، قاضی صاحب نیشا پور اور اس کے مضافات کے حاکم تھے، انہوں نے قطب الدین کی اولاد کی طرح پرورش کی، ان کی وفات کے بعد قاضی صاحب کے وارثوں نے قطب الدین کو غزنی میں شہاب الدین غوری کے پاس فروخت کر دیا۔ شہاب الدین غوری کی چونکہ اپنی کوئی اولاد نہ تھی اس لیے وہ اپنے ترکی غلاموں کو اولاد کی طرح ہی سمجھتا تھا۔ ہندوستان میں اس کے غلاموں نے فتوحات کے سلسلہ کو جاری رکھا جن میں قطب الدین ایبک اور محمد بختیار خلجی قابل ذکر ہیں، قطب الدین ایبک نے تو اعلیٰ صفات کی بدولت شہاب الدین کے دل میں خاص جگہ پیدا کر لی تھی یہاں تک کہ میر آخور (شاہی اصطبل کے افسر اعلیٰ کو میر آخور کہتے تھے یہ بڑا معزّز اور ذمہ داری کا عہدہ اس وقت سمجھا جاتا تھا۔ مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات جامع، فیروز سنز، لاہور ۲۰۱۰ء، ص ۱۳۲۷) کا عہدہ اس نے حاصل کر لیا تھا۔ (ابن بطوطہ، عجائب الاسفار، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد، ص ۵۷، ۱۹۸۳ء، جوزجانی، منہاج سراج، طبقات ناصری، کالج پریس، کلکتہ، ۱۸۶۴، ص ۱۳۸)

۳۔ شمس الدین التتمش ترکستان کے قبائل البری میں سے تھا اس کا باپ ایلم خان ایک قبیلہ کا سردار تھا۔ ذہانت وفراست کے آثار بچپن سے ہی اس کی پیشانی پر نمایاں تھے، سو برادران یوسف کی طرح التتمش کو بچپن میں اس کے سوتیلے بھائیوں نے کسی سوداگر کے ہاتھوں بیچ دیا اور بخارا کے ایک قاضی نے خرید کر اس کی پرورش کی، جوان ہوا تو قطب الدین ایبک کے پاس لایا گیا اس نے منہ مانگی قیمت دے کر خرید لیا آہستہ آہستہ شمس الدین ترقّی کی منزلیں طے کرتا ہوا اقطاع بدایوں کا حاکم بن گیا جو ان دنوں بہت باوقعت صوبہ تھا۔ تخت نشینی کے بعد تاج الدین یلدوز نے غزنی سے اسے ''چتر شاہی'' اور ''دور باش'' (شاہی سواری کے آگے آگے جانے والا دو شاخہ برچھا) بھیجا کیونکہ وہ ابھی تک ہندوستان کو غزنی کا ایک صوبہ سمجھتا تھا۔ (جوزجانی، طبقات ناصری، ص ۱۴۵، فرشتہ، قاسم محمد، تاریخ فرشتہ، مرکز تحقیقات رایانہ ای، قائمیہ اصفہان، ۱۳۸۷ھ، ج ۱، ص ۱۴۴)

۴۔ یہ مدرسہ معزالدین محمد غوری المعروف شہاب الدین غوری کے نام سے منسوب تھا جو اپنے دور کا ایک عظیم الشان تعلیمی ادارہ تھا التتمش نے خود مدرسہ کے قیام اور تزئین وآرائش میں دلچسپی لی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ ایک عمدہ درس گاہ بن گئی۔ قرامطہ نے جب رضیہ سلطانہ (۱۲۴۰ء۔۱۲۳۶ء) کے دور میں دہلی پر حملہ کیا تو انہوں نے اس مدرسہ کو خاصا نقصان پہنچایا، اس کے بعد فیروز شاہ تغلق (۱۳۸۸ء۔۱۳۵۱ء) نے اس برباد شدہ مدرسہ کو از سر نو بحال کیا عمارت کی تزئین وآرائش کا کام کرایا اور ایک بار پھر اسے حصول علم کا مرکز بنا دیا (ابوالحسنات ندوی، ہندوستان کی قدیم درسگاہیں، روز بازار، الیکٹرک پریس ہال بازار، امرتسر، ۱۹۲۲ء، ص ۲۲، اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، شعبہ تصنیف وتالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی، ۱۹۷۱ء، ص ۱۹۰)

۵۔ غیاث الدین بلبن کا تعلق ترکوں کی تراختائی نسل اور البری قبیلے سے تھا۔ اس کا باپ دس ہزار گھرانوں کا سردار تھا مغل جب فتح وکامرانی کی دھومیں مچاتے ہوئے ترکستان پہنچے تو دوسروں کی طرح بلبن کو بھی ایک مغل نے گرفتار کر لیا اس مغل نے بلبن کو ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ دیا یہ سوداگر اسے اپنے ساتھ بغداد لے آیا اور یہاں ایک بزرگ خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر دیا خواجہ جمال الدین کو جب پتہ چلا کہ بلبن کا تعلق بھی اسی نسل سے ہے جس نسل سے التتمش کا ہے تو وہ اُسی سال بلبن کو ساتھ لے کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔ دہلی پہنچ کر خواجہ جمال الدین نے التتمش کی خدمت میں ترکی النسل غلاموں کے ساتھ ساتھ بلبن کو بھی پیش کیا۔ التتمش نے ان سب غلاموں کو ایک بڑی قیمت دے کر خرید لیا اور خواجہ جمال الدین شاہی انعامات پاکر واپس بغداد چلے گئے (جوزجانی، طبقات ناصری، ص ۵۶۔ فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ج ۱، ص ۱۵۴)

۶۔ برنی ضیاء الدین، تاریخ فیروز شاہی، مرکز تحقیقات رایانہ ای، قائمیہ اصفہان، ۱۳۸۷ھ، ص ۱۵۳

۷۔ محمد بن تغلق (۱۳۵۱ء۔۱۳۲۵ء) کے ماتحت قاضی القضاۃ کو ساٹھ ہزار ٹنکے (رائج الوقت سکہ) سالانہ تنخواہ ملتی تھی (اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص ۱۷۱)

۸۔ اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص ۱۸۶، ۱۸۸

۹۔ عبدالحئ لکھنوی، نزہۃالخواطر وبہجۃالمسامع والنواظر، ادارہ تالیفات اشرفیہ، چوک فوارہ، ملتان، ۱۹۹۳ء، ج ا، ص ۲۳۹

۱۰۔ زین العابدین سجاد میرٹھی، مفتی، انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی، مفتی، تاریخ ملت، ادارہ اسلامیات انار کلی، لاہور ۱۹۹۱ء، ج ۳، ص ۴۴۳

۱۱۔ جوزجانی، منہاج سراج، طبقات ناصری، ص ۱۹۱، عبدالحئ لکھنوی، نزہۃالخواطر، ج ا، ص ۲۱۶

۱۲۔ عبدالحئ لکھنوی، نزہۃالخواطر، ج ا، ص ۲۳۶

۱۳۔ ایضاً، ج ا، ص ۱۷۵

۱۴۔ ایضاً، ج ا، ص ۱۸۰

۱۵۔ جوزجانی، منہاج سراج، طبقات ناصری، ص ۱۶۵

۱۶۔ زین العابدین سجاد میرٹھی، مفتی، تاریخ ملت، ج ۳، ص ۴۷۶

۱۷۔ اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص ۱۷۲

۱۸۔ جوزجانی، منہاج سراج، طبقات ناصری، ص ۱۸۶

۱۹۔ عبدالحئ لکھنوی، نزہۃالخواطر، ج ا، ص ۲۶۹

۲۰۔ جوزجانی، منہاج سراج، طبقات ناصری، ص ۱۹۰

۲۱۔ عبدالحئ لکھنوی، نزہۃالخواطر، ج ا، ص ۱۴۶

۲۲۔ ایضاً، ج ا، ص ۲۱۱

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص ۸۸

۲۵۔ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، نگارشات ٹیمپل روڈ لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۹

۲۶۔ جوزجانی، منہاج سراج، طبقات ناصری، ص ۱۶۶

۲۷۔ عبدالحئ لکھنوی، نزہۃالخواطر، ج ا، ص ۱۶۰

۲۸۔ شمس الدین التمش کی وفات کے بعد آپ اس کے بیٹے سلطان رکن الدین فیروز شاہ(۱۲۳۶ء۔۱۲۳۶ء) کے مصاحبوں میں شامل ہوئے پھر اس کے خلاف بغاوت کر کے لاہور آپہنچے سلطنت کے کئی ارباب مناصب نے آپ کا ساتھ دیا سلطان رکن الدین نے لشکر کے ساتھ تعاقب کیا تو عوام نے ان سے منحرف ہو کر ان کی بہن سلطانہ رضیہ بنت التتمش (۱۲۴۰ء۔۱۲۳۶ء) کی بیعت کر لی یہ دیکھ کر سلطان رکن الدین دہلی لوٹ آیا اور عوام نے اسے گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا یہ حالت دیکھ کر نظام الملک اپنے

موافقین امراء کے ساتھ دہلی آپہنچا تو سلطانہ رضیہ نے شکست دے کر ناکام کر دیا تب نظام الملک نے سرموڑ پہاڑ کی طرف رخ کر لیا۔ (عبدالحیٔ لکھنوی، نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۰۹، زین العابدین سجاد میرٹھی، مفتی، تاریخ ملت، ج ۳، ص ۴۵۷)

۲۹۔ عبدالحیٔ لکھنوی، نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۲۳

۳۰۔ جوز جانی، منہاج سراج، طبقات ناصری، ص ۱۹۲

۳۱۔ عبدالحیٔ لکھنوی، نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۴۴

۳۲۔ اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص ۱۸۶، ۱۸۸

۳۳۔ جوز جانی، منہاج سراج، طبقات ناصری، ص ۱۹۱

۳۴۔ جب سلطان جلال الدین فیروز خلجی (۱۲۹۵ء۔ ۱۲۹۰ء) کا دور آیا تو اس نے بھی آپ کو عہدہ صدارت عطا کیا۔ چار سال تک آپ اس عہدہ پر متمکن رہے پھر اس کے بعد معزول کر دیے گئے (عبدالحیٔ لکھنوی، نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۹)

۳۵۔ محمد بن تغلق کے عہد میں شیخ الاسلام کی وہی تنخواہ تھی جو صدر الصدور کی تھی یعنی ساٹھ ہزار ٹنکوں کا وظیفہ، (اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص ۲۰۲)

۳۶۔ عبدالحیٔ لکھنوی، نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۳۶

۳۷۔ ایضاً، ج ۱، ص ۲۶۸

۳۸۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور ۱۹۹۴ء، ص ۲۵۸، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۵، ص ۹۵، ص ۴۵۸

۳۹۔ آپ کے تین بیٹے تھے، جن میں سب سے بڑے بیٹے نظام الدین جو علم و عرفان میں اپنے والد کے نقش قدم پر گامزن تھے، دوسرے بیٹے قوام الدین محمود جن کے عقد نکاح میں سلطان شمس الدین التتمش کی بیٹی فتحہ سلطانہ تھی اور تیسرے بیٹے قاضی تاج الدین تھے (عبدالحیٔ لکھنوی، نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۱۲)

۴۰۔ حاجب بادشاہ اور رعایا کے درمیان ایک واسطہ ہوتے تھے۔ ان کا افسر اعلیٰ، جو کہ عام طور پر بادشاہ کا بیٹا، بھائی یا انتہائی معتمد امیر ہوتا تھا، امیر حاجب یا باربک کہلاتا تھا۔ یورپی مصنفین اسے عموماً "چیف چیمبرلین" کہتے ہیں لیکن یہ اصطلاح امیر حاجب کے فرائض کو درست طور پر ظاہر نہیں کرتی۔ باربک دربار کی تقریبات کا اہتمام کرتا تھا، اس کا یہ فرض تھا کہ وہ امرا اور حکام کی صف بندی ان کے مرتبہ کے مطابق ترتیب کے ساتھ کرے اور تمام شاہی تقریبات کے وقار کو قائم رکھے۔ کوئی شخص بغیر اس کے کہ وہ حاجب اس کا تعارف کرائیں سلطان کے حضور باریابی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ (اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص ۶۲)

۴۱۔ یہ مدرسہ جو رضیہ سلطانہ (۱۲۴۰ء۔۱۲۳۶ء) کے دور میں دہلی میں قائم ہوااور شاہزادہ ناصر الدین محمود بن سلطان شمس الدین التتمش (م۱۲۲۹ء) کے نام پر "مدرسہ ناصریہ" کہلایا بعد ازیں یہ مدرسہ بھی زمانہ کی دست برد سے نہ بچ سکا، (محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور ۱۹۷۶ء، ج۱، ص۱۵۶، بختیار صدیقی، برصغیر میں مدارس کا نظام تعلیم، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ص۴۹)

۴۲۔ جوزجانی، منہاج سراج، طبقات ناصری، ص۱۹۱، عبدالحیٔ لکھنوی، نزہۃ الخواطر، ج۱، ص۲۱۶

۴۳۔ اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص۹۰

۴۴۔ عبدالحیٔ لکھنوی، نزہۃ الخواطر، ج۱، ص۱۵۳

۴۵۔ ایضاً، ج۱، ص۲۲۰

۴۶۔ اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص۹۹

۴۷۔ عبدالحیٔ لکھنوی، نزہۃ الخواطر، ج۱، ص۱۶۰

۴۸۔ ایضاً، ج۱، ص۱۷۷

۴۹۔ ایضاً، ج۱، ص۲۰۸

۵۰۔ جوزجانی، منہاج سراج، طبقات ناصری، ص۱۵۰

۵۱۔ وزیر کے بعد مشرف ممالک (اکاوئنٹنٹ جنرل) ہوتا تھا جو پوری سلطنت کا محاسب اعلیٰ ہوتا تھا (اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص۸۸)

۵۲۔ اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص۸۸

۵۳۔ عبدالحیٔ لکھنوی، نزہۃ الخواطر، ج۱، ص۱۷۹

۵۴۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ص۱۲۴

۵۵۔ اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص۱۸۴

۵۶۔ جوزجانی، منہاج سراج، طبقات ناصری، ص۱۷۰